احسن الاصلاح

مرتبہ جناب راز احسنی صاحب سہسوانی

حضرت قبلہ مولانا احسن مارہروی رحمتہ اللہ علیہ کی نادر اصلاحیں

شعر وسخن کی اصلاح کے متعلق جو مضمون پیش کیا جائے اس کے اجزائے ترکیبی شعر وشاعری اور شاعر کی تعریف، ضروریات اصلاح، استاد کامل کا مرتبہ۔ مصلح سخن کی شان وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ میں اگر ان پر بحث کروں تو میری بے بضاعتی وبے مائیگی علم ومعلومات کے باوجود مضمون یقیناً طویل اور زیادہ طویل ہو جائے گا۔ اور یہاں طوالت مدنظر نہیں ہے لہٰذا ان سب باتوں سے درگذری اولی تر ہے۔ اگر ضمناً اس قسم کا کچھ تذکرہ مختصراً اور اجمالی طور پر آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

شاعری کی تعریف خواہ کچھ ہو مگر یہ مسلمہ ہے کہ یہ ہے فطری چیز اور عطیہ خداوندی؛ قریب قریب ہر زمانے میں اور ہر زبان کے شاعروں میں ایسے شعرا خال خال پائے جاتے ہیں جنہوں نے باوجود صاحب علم نہ ہونے کے دنیائے سخن میں مقبولیت حاصل کی۔ میرے وطن سہسوان ہی میں جو علم وفضل کا مرکز رہا ہے جناب قیوم بخش صاحب مضطر اچھے غزل گو اور بے مثل ہجو گو تھے لیکن پڑھے ہوئے بالکل نہ تھے ہر زبان کے شعرا میں ایسے شاعر بکثرت ملتے ہیں جنہوں نے کسی استاد فن کے روبرو زانوئے تلمذ تہ کئے بغیر شہرت جاوید حاصل کی ہے دور کیوں جائیے اردو کے شعرائے حال میں قبلہ فانی بدایونی ایسے شعرا کی زندہ مثال ہیں، لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ شاعری کے لئے علم کی ضرورت نہیں یا اس فن کی تکمیل کے لئے شاگرد ہونا غیر ضروری ہے حقیقت یہ ہے کہ شعر کو آخر العلوم کہا جاتا ہے اس لئے شاعر کا بے علم یا کم علم ہونا اچھا نہیں، شاعر کو زیادہ سے زیادہ علم کی ضرورت ہے، اور جہاں دنیا کا ہر کام اصلاح طلب ہے شاعری بھی اس سے بے نیاز نہیں۔ جائے استاد خالیست کا مقولہ اپنی جگہ اٹل ہے، دنیا کے روبرو سرفراز ہونے کے لئے کسی

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

ایک کے سامنے سر جھکا دینا ضروری ہے، استاد کی نظر اصلاح سے خواہ شاگرد فطری شاعر ہی کیوں نہ ہو فیض کا ہونا لازمی ہے۔ اصلاح سے اغلاط و اسقام کا دور ہونا اور کلام میں ترقی کا پیدا ہونا ضروری ہے البتہ استاد فن کا میسر آنا بھی آسان نہیں۔ یوں تو استاد کامل الفن میں اس درجہ خوبیوں کا ہونا ضروری ہے کہ اُن کا فرد واحد میں یکجا ہونا امر محال ہے، تاہم ایسی مقدس ہستیوں سے زمانہ خالی نہیں ہے، اس میں شبہ نہیں کہ ایسی برگزیدہ ہستیاں الشاذ کالمعدوم کی مصداق ہمارے زمانے میں بہت کم ہیں، لیکن ہیں ضرور، اور وہ رفتہ رفتہ اپنی جگہ خالی کرتی جا رہی ہیں، ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں استادان فن سے ہندوستان خالی ہو جائے۔

اکثر شعرا اپنے کسی مخصوص انداز کی وجہ سے یا کسی بڑی ہستی کی سرپرستی کے سبب سے شرف قبول حاصل کر لیتے ہیں اور عوام الناس میں قدر و منزلت پا جاتے ہیں ایسے شعراء کی شاگردی سے کوئی فیض نہیں ہوتا۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے یعنی شاگرد ہونے کے لئے زیادہ چھان بین کی ضرورت ہے، مگر میں نے اس چھان بین کو اپنے خیال میں زیادہ محدود کر لیا ہے یعنی صرف یہ کہ استاد فن صرف اس ہستی کو سمجھنا چاہئے جسے نقاد شعراء کا طبقہ استاد کامل تسلیم کرتا ہو۔ اور عوام الناس کی آواز پر نہ جانا چاہئے۔

اساتذہ اصلاح میں خصوصیات زبان، محاسن و معائب سخن، مناسب الفاظ کے استعمال ترقی شعری، رنگ زمانہ وغیرہ وغیرہ خصوصیات کا لحاظ رکھتے ہیں، حتی الامکان مضمون شعر نہیں بدلتے، کہیں کہیں مضمون بدل بھی جاتا ہے اور اس سے شعر میں ترقی پیدا ہو جاتی ہے، شاگردوں کو اُن کی غلطیوں اور لغزشوں سے مطلع فرماتے ہیں جس سے شاگردوں کو آئندہ محتاط رہنا چاہئے، اگر شاگرد اصلاحوں پر نظر رکھتا ہے تو بے نیازانہ اصلاح ہو جاتا ہے۔

اصلاح بر کلام مخدوم زادہ حضرت مولانا حافظ سید سعید احسن صاحب سعید مدظلہ

سعید   مہرباں جب سے ہمارا ستم ایجاد نہیں   زندگی کا بھی مزا اے دل ناشاد نہیں

اصلاح   مہرباں الخ   مرنے جینے کا مزا الخ

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

ایک صرف زندگی کا مزا اور ایک مرنے جینے کا مزا بڑا فرق رکھتا ہے اصلاح سے شعر میں نمایاں ترقی پیدا ہوگئی اور شعر زیادہ معنی خیز ہوگیا۔

سعید لوگ کہتے ہیں کہ رہتی ہیں امیدیں دلیں — ہم نے دیکھا تو یہ گھر نام کو آباد نہیں

اصلاح لوگ کہتے ہیں کہ بستی ہیں الخ — ہم الخ

ذراسی اصلاح سے شعر میں لطافت زبان کا اضافہ ہوگیا، رہنے اور بسنے کا نازک فرق لائق ملاحظہ ہے۔

سعید قابل دید ہے یہ شان بھی اب انکی سعید — میں تو ہوں یاد مگر بات مری یاد نہیں

اصلاح قابل دید ہے یہ شان تغافل بھی سعید — میں الخ

سبحان اللہ ایک لفظ تغافل سے شعر کتنا بلیغ و پُر لطف ہوگیا۔

اصلاح بر کلام قاضی لطیف الدین احمد صاحب اشہر ایٹہ

اشہر اسیر ہو کے بھی باقی وہی فسانہ تھا — بھرا نگاہ میں گلشن کا اک زمانہ تھا

اصلاح اسیر ہو کے یہ لب پر مرے فسانہ تھا — کہاں چمن ہے جہاں میرا آشیانہ تھا

اصل شعر کے دونوں مصرے غیر مربوط تھے اور مصرعہ ثانی میں تعقید کا عیب تھا، اصلاح سے شعر بہت رواں اور لطیف ہوگیا۔

اشہر تڑپ رہی تھی جو بلبل سبب یہ تھا اُسکا — قفس کے قرب میں اجڑا سا آشیانہ تھا

اصلاح مری نظر میں بیک وقت تھی بہار و خزاں — قفس بسا ہوا، برباد آشیانہ تھا

اصل شعر بہت پھُس پھُسا تھا۔ اصلاح سے شعر، شعر ہوگیا، بہار و خزاں کا بیک وقت نظر میں ہونا کیسے پیارے الفاظ ہیں، بسا ہوا کی معنویت قابل ملاحظہ ہے۔

اشہر شہید یاس کی مجبوریاں ہوئیں رہبر — جہاں بھی بیٹھ گیا بس وہ آستانہ تھا

اصلاح نیاز مند ترا ہر جگہ نہیں جھکتا — جہاں سر اس کا جھکا تیرا آستانہ تھا

یاس کے معنی ہیں ناامیدی کے لہٰذا شہید یاس کو یہ بات نصیب نہیں ہوسکتی کہ وہ جہاں

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

بیٹھ جائے وہیں آستانہ محبوب ہو اور یہ حقیقت ہے کہ کسی محبوب کا نیاز مند جز درِ محبوب کہیں سر نہیں جھکا سکتا "

شعر — نہ بیکسی میں بھی چھوڑا اصول خودداری — غبارِ راہ گذر اپنا آشیانہ تھا

اصلاح — نمود شانِ امارت تھی شام غربت میں — غبار الخ

شعر سے پابندی خودداری ثابت نہ تھی۔ نہ اظہار خودداری کی ضرورت تھی، بیکسی غربت میں بھی ہو سکتی ہے اور حضر بیٹھے، بیکسی کے کامل اظہار کے لئے شام غربت کا کیا کہنا اور پھر شام غربت میں نمود شان امارت کے لئے غبار راہ گذر کا آشیانہ ہونا بالکل درست اور نہایت موزوں ہے۔

شعر — کہیں تھے پر کہیں بلبل کہیں نشیمن تھا — یہ انقلاب محبت کا اک فسانہ تھا

اصلاح — کہیں تھے تنکے کہیں بال و پر تھے بلبل کے — اک آشیانۂ ویراں کا یہ فسانہ تھا

تنکے اور پروں اور نشیمن کے منتشر ہونے سے انقلاب محبت کا کوئی واسطہ نہیں تنکوں کے انتشار سے نشیمن کا وجود ہی نہیں رہ سکتا لہٰذا کہیں نشیمن تھا کہکر نشیمن کا وجود تسلیم کرنا بھی ٹھیک نہ تھا اور شعر میں اجتماع ردیفیں کا عیب بھی تھا، تنکے اور پروں کے انتشار کو آشیانۂ ویران ہی کا فسانہ کہہ سکتے ہیں، نہ انقلاب محبت کا۔

شعر — بلبل کی اب خبر لے کہہ دو یہ باغباں سے — کچھ برق کہہ رہی ہے جھک جھک کے آشیاں سے

اصلاح — بے تاب بلبلوں نے پوچھا یہ باغباں سے — کیا برق الخ

برق کا آشیاں سے جھک جھک کر کچھ کہنا، بلبلوں کو بے تاب کرنے کے لئے کافی تھا لہٰذا پہلے مصرعے میں اس طرف توجہ فرمائی گئی اور مصرعہ ثانی میں پوچھنے کی نسبت سے کچھ کی جگہ کیا بنایا گیا۔ استفہام کی صورت میں کیا ہی ہونا چاہئے تھا۔

شعر — اے کاش وہ سمجھ لیں کچھ نالہ و فغاں سے — جو راز اُن سے کہہ دے لاؤں وہ دل کہاں سے

اصلاح — مطلب نہیں سمجھتے وہ نالہ و فغاں سے — جو الخ

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

اس اصلاح سے شعر میں روانی وسلاست پیدا ہوگئی، مطلب نہیں سمجھتے وہ نالہ و فغاں سے کہنے میں زیادہ حسرت کا اظہار ہے۔ مصرعہ ثانی کے لئے انھیں الفاظ کی ضرورت تھی۔

آشہر ذوق نظر تو ہی کر کچھ میری ترجمانی — کیفیتیں سوا ہیں اندازۂ بیان سے

اصلاح ذوق نظر نے میرے کی میری ترجمانی — خاموشیوں کے معنی بڑھکر رہے بیان سے

مصرعہ اولیٰ میں تو، مخاطب کا داؤ دب گیا تھا بین الفصحا اس کا دینا غیر فصیح ہے۔ دوسرے مصرعے کی اصلاح سے شعر میں دل آویزی اور معنویت پیدا ہوگئی۔

آشہر ٹوٹے نہ دل کسی کا یہ بھی ثواب لیجئے — انکار ہے تو اچھا کہئے نہ کچھ زبان سے

اصلاح ٹوٹے نہ دل کسی کا اتنا لحاظ رکھئے — انکار الخ

بصورت انکار زبان سے کچھ نہ کہنے کی خواہش کے اظہار کے لئے، اتنا لحاظ رکھئے، نہایت پیارا ٹکڑا ہے

اصلاح برکلام جناب سید تجمل حسین صاحب اختر بریلوی

اختر ہو کائنات کے اختر کی صرف تم مالک — جو جاں بھی مانگو تو ممکن نہیں بہانہ کرے

اصلاح نہ دل نہ مال نہ اختر کو تم سے جان عزیز — کسی طلب پہ وہ ممکن نہیں بہانہ کرے

پہلے مصرعے میں تعقید تھی، مصرعہ ثانی میں، جو جاں، برا تھا۔ اور جاں بغیر ترکیب اضافی کے نون غنہ کے ساتھ واقع ہوا تھا ایک کثر یہ بھی تھی کہ جو کسی چیز کا مالک ہو وہ مانگنے کیوں لگا اور اس سے بہانہ کیسا، شعر میں جس قدر کوتاہیاں تھیں۔ اصلاح سے سب جاتی رہیں، اور دل جان۔ مال کی وضاحت سے شعر بہت بلند ہوگیا۔

اختر مرے پاس اور کیا تھا جو ترے دربار میں لاتا — یہ کیا کم ہے تمنا ہی تمنا لے کے آیا ہوں

اصلاح مرے الخ — بجبوری تمنا الخ

یہ کیا کم ہے کی جگہ، بجبوری، بنایا گیا، مصرعہ اولیٰ میں کہا گیا تھا کہ میرے پاس تیرے دربار میں لانے کے لئے اور کچھ نہ تھا، گویا یقیناً اپنی مجبوری کا اظہار کیا گیا تھا، ایسی حالت میں کم وبیش کا

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

کچھ نہیں" پھر تمنا ہی تمنا کہنا بھی درست نہ تھا اس موقع پر صرف، تمنا کہا جا سکتا تھا، مجبوری نے تمنا ہی تمنا درست ہی نہیں کرایا بلکہ لطافت پیدا کر دی اور مصرعہ اولی کی ترجمانی بڑی خوش اسلوبی سے ہوگئی، اور شعر بہت سلیس ولطیف ہوگیا۔

اختر یہ بات سچ ہی محبت میں اُن کی جیت ہوئی   مگر وہ یوں کہ جفا اُن سے تول ہاری ہی

اصلاح یہ الخ   مگر وہ یوں کہ وفا ہم سے الخ

معشوق خواہ کیسا ہی جفا جو ہو، جب تک عاشق وفا خو نہ ہو، جفاؤں کا سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا، یعنی اگر عاشق وفاؤں سے منھ پھیر لے تو پھر جفائیں کس پر ہو سکتی ہیں، جفا تو وفا کے مقابلہ ہی میں ہوتی ہے لہذا معشوق کی جیت اُس کی جفاؤں سے نہیں ہو سکتی، عاشق کی وفاؤں سے معشوق کی جیت لازمی ہے، اصلاح میں یہی نازک فرق ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

اختر جو چور کی سزا وہ ہماری سزا رہے   اچھا ذرا دکھاؤ تو چاہت نباہ کے،

اصلاح آتا نہیں یقین کہ چا ہوگے تم ہمیں   اچھا الخ

دونوں مصرعے باہم غیر مربوط تھے، اور جو مفہوم ادا کرنا چاہا تھا وہ ادا نہ ہو سکا تھا، غالباً یہ مطلب تھا کہ ہمارا دعویٰ ہے، تم چاہت نہیں نباہ سکوگے، اگر نباہ سکو تو جو چور کو سزا دیجاتی ہے وہ ہمیں دی جائے لیکن یہ مطلب شعر کے الفاظ سے ادا نہیں ہوا تھا اصلاح میں "آتا نہیں یقین کہ چا ہوگے تم ہمیں" بنا دیا جو مصرعہ ثانی سے صرف ربط ہی نہیں رکھتا بلکہ شعر میں شگفتگی اور لطافت پیدا ہوگئی۔

اختر ایسا گیا کہ لوٹ کے لی ہی نہیں خبر   وہ دل کہ جس میں سارے زمانے کا درد تھا

اصلاح ایسا گیا کہ اس نے پلٹ کر نہ لی خبر   وہ الخ

لوٹ "لوٹنا" گنواری بولی ہے"۔

اختر اُس کی آنکھوں نہ کیونکر ہو اندھیری دنیا   چشم اختر میں سما کر مہ تاباں نکلا

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

اصلاح اس کی آنکھو ں میں نہ کیونکر ہو زمانہ روشن چشم الخ

اصلاح سے شعر کی کایا ہی پلٹ گئی اور بہت خوب ہو گیا۔

اختر سزا اے دل تجھے مل کر رہیگی اس محبت کی اگر بربادیوں کا خوف ہو تو پھر خطا کیوں ہو

اصلاح سزا اے دل تجھے مل کر رہیگی جرم الفت کی جسے بربادیوں کا خوف ہو اس سے خطا کیوں ہو

سزا جرم ہی کی ہوتی ہے اس لئے جرم الفت بنایا گیا۔

اختر جو عشق پائدار ہے تو حسن لاجواب ہے اگر تو انتخاب ہے تو دل بھی انتخاب ہو

اصلاح جو الخ اگر تم انتخاب ہو تو الخ

تو مخاطب کا واؤ دبتا تھا، اس لئے اصلاح دی گئی۔

اختر جنونِ عشق جیتے جی نہ گھٹ سکے نہ جا سکے ابھی تو تو جوان ہے ابھی مرا شباب ہے

اصلاح جنونِ عشق جائے کیا گھٹے تو کس طرح گھٹے ابھی الخ

پہلے مصرعے میں جنونِ عشق کے نہ گھٹنے اور جانے کی شرط تھی عمر بھر کے لئے اور مصرعہ ثانی میں اپنی اور محبوب کی موجودہ حالت کا اظہار تھا۔ جنونِ عشق نہ گھٹنے اور نہ جانے کا سبب تھا طرفین کی جوانی، جو ہمیشہ رہنے کی چیز نہیں لہذا دونوں مصرعوں میں مطابقت نہ تھی۔ اصلاح سے جیتے کی شرط نکال دی، اب دونوں مصرعے مربوط ہو گئے اور شعر بہت صاف اور بہتر ہو گیا۔

اختر دیکھو تو مریض غم کو آ کر پھر کہنا کہ درد کی دوا کر

اصلاح سنئے تو مریض غم کی آ کر پھر کہئے کہ درد کی دوا کر

دیکھنے اور سننے میں یہ فرق ہے کہ دیکھنے سے ضروری نہیں تھا کہ مریض غم کی صحیح حالت معلوم ہو اور سننے سے حالت ٹھیک معلوم ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جس پر گذر رہی ہے وہی بیان کرنے والا ہے، اور پھر درد دیکھنے کی چیز نہیں، درد کا حال سننے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ لہذا دیکھو کی جگہ سنئے بنایا گیا اور اُسی کی مناسبت سے کہنا کی بجائے

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

کیئے رکھا گیا۔ وسیع النظر مصلحان سخن کی نگاہ نکتہ بیں سے ذرا ذرا سی بات بھی نہیں بچ سکتی۔

اختر	کہ جوان ہو کر کریں وہ ملک پر جانیں نثار

اصلاح	نوجوان الخ

نوٹ۔ اچھّے خاصے کہنے والے سے ایسی غلطی کا ہونا تعجب خیز ہے، اب کاف بیانیہ کھینچ کر نظم نہیں کیا جاتا آئندہ خیال رہے۔

اختر	تم کو ہمارے حال کی پرواذرا نہیں	یہ دیدہ میرے غم میں کبھی نم نہیں رہا

اصلاح	دل بھی شب فراق رہا مضطر و حزیں	اور اُس کے ساتھ دیدۂ گریاں بھی نم رہا

نوٹ۔ تنہا دیدہ لکھنا اُردو میں فصیح نہیں۔

مصرعہ اولیٰ میں ہمارے جمع متکلم تھا، اور دوسرے میں واحد متکلم، یہ درست نہیں۔ اس عیب کا نام شتر گربہ ہے۔ اصلاح سے یہ عیب بھی نکل گیا اور دیدہ بھی۔ ترکیب اضافی نظم ہو کر غیر فصیح سے فصیح ہو گیا اور شعر صاف وسلیس ہو گیا۔

اختر	اگرچہ ہے تو میری چاہت کا منکر	مگر اسپہ بھی دل کی چاہت وہی ہے

اصلاح	مری چاہ کا تو ہے ہر چند منکر	مگر الخ

نوٹ۔ اگرچہ میں چہ کا اشباع غیر فصیح ہے۔

اختر	تیوری پہ وہ بل ڈال کے بولے مجھ سے۔

نوٹ۔ دلّی والے تیوری بر وزن رہبری بولتے ہیں جیسے "سنتا ہوں تیوری ہے کسی کی چڑھی ہوئی مگر میں اب اس کو بھی جائز سمجھتا ہوں لہٰذا رہنے دیا۔

اختر	تری بپھری ہوئی نظروں سے بچنا دل کا مشکل تھا "

نوٹ۔ نظر کا بپھرنا نامسموع ہے "

اختر	دکھے دل پر دکھن کا تیر مارا

اصلاح	دکھے دل پر غضب کا تیر مارا

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

نوٹ، یہ دکھن کا تیر کیا بلا ہے؟

اختر خلط ملط اُن سے بڑھانے تو چلا ہے اے دل — خیر سے اپنا بھی کچھ نفع و ضرر دیکھ لیا

صلاح ربط ضبط اُن الخ — خیر الخ

نوٹ۔ خلط ملط ہونا بولتے ہیں کہ بڑھانا؟

اصلاح میں بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جس انداز کے الفاظ نکالے تھے ویسے ہی رکھدئے۔

اختر تیری فرقت رنج دیتی ہے ترے عشاق کو — اور اس کو جو پجاری ہو تری تصویر کا

صلاح تیری الخ — بالخصوص اُس کو جو عاشق ہو تری تصویر کا

مصرعہ اولی میں عشاق کو رنج دینے کا ذکر تھا، مصرعہ ثانی میں کہا گیا تھا اور اس کو جو پجاری ہو تری تصویر کا، اس طرح شعر کا مطلب یوں ہو گیا تھا کہ، تیری فرقت تیرے عشاق کو اور تیری تصویر کے پجاری کو رنج دیتی ہے، گویا عاشق اور تصویر کے پجاری میں تفریق کردی گئی تھی، اور یہ تفریق ٹھیک نہ تھی کیونکہ عاشق ہی تصویر کا پجاری ہو سکتا ہے نہ کوئی اور، اصلاح میں بالخصوص اس کو جو عاشق ہو تری تصویر کا بنایا گیا اب مطلب یہ ہوا کہ تیری فرقت بالعموم تیرے سب عاشقوں کو اور بالخصوص تیری تصویر کے عاشق کو رنج دیتی ہے، اس تخصیص سے شعر میں خاص لطافت پیدا ہو گئی۔

اختر میں کبھی یہ نہ کہوں گا کہ کرم کیجے آپ — آپ خود دیکھئے الفت کا تقاضا کیا ہے

صلاح میں الخ — آپ خود سوچئے الفت الخ

اختر نیند آنکھوں میں ہے تاروں پہ نگاہیں — مجھکو سونے نہیں دیتی ہیں یہ آہیں میری

صلاح نیند الخ — ہائے سونے نہیں دیتیں مجھے آہیں تیری

مصرعہ ثانی میں یہ حشو تھا اور ہائے کے لفظ سے تاسف میں بلا کا اضافہ ہوگیا۔

قطعہ

اختر میں نے اِن آنکھوں سے دیکھا تیرا پژمردہ جمال — جسم لاغر، رنگ فق، غمگین نظر، چہرہ نڈھال

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

نوٹ۔ نظر کی صفت غمگین غلط۔

چاند پھر بھی چاند ہی چاہے گھٹے چاہے بڑھے — فرق اتنا ہے بڑھے تو بدر گھٹ جائے ہلال

اصلاح — ہیں الخ — جسم لاغر رنگ فق نیچی نظر الخ

چاند الخ — فرق اتنا ہے کہ بڑھ کر بدر ہے گھٹ کر ہلال

قطعہ کے دوسرے مصرعہ کا سبب تو حضرت قبلہؒ کے نوٹ سے واضح ہے چوتھا مصرعہ صاف نہ تھا اصلاح سے روانی پیدا ہوگئی اور قطعہ نہایت کامیاب قطعہ ہوگیا۔

اختر — اپنی بربادیوں کا غم مجھ کو — سچ تو یہ ہے کبھی ذرا نہ ہوا

اصلاح — اپنی الخ — مٹتے مٹتے کبھی ذرا نہ ہوا

سچ تو یہ ہے اور مٹتے مٹتے میں بڑا فرق ہے، سچ تو یہ ہے معمولی سی بات تھی اور مٹتے مٹتے زیادہ اہم ہے۔ شعر میں کافی ترقی و معنویت پیدا ہوگئی۔

اختر — حالانکہ محبت میں کوئی لطف نہیں ہے — پھر بھی یہ مزیدار ہے معلوم نہیں کیوں

نوٹ۔ مزیدار، مستند شعراء کے ہاں غیر مستند ہے مگر اردو بول چال میں ہے اس لئے میں جائز سمجھتا ہوں۔

حضرت قبلہؒ کے بعض نوٹ جو اختر صاحب کو وقتاً فوقتاً بسلسلہ اصلاح دئے گئے ہیں۔ مرسلہ اختر صاحب جو ہر مبتدی و منتہی کے لئے مفید اور کارآمد ہیں۔

(۱) بغیر ترکیب جب جان کہو تو نون کا اعلان کرو، ہاں ترکیب فارسی میں اخفائے نون ضروری ہے۔

(۲) بے کلی فصیح نہیں خصوصاً اس لئے کہ یہ عورتوں کا اندرونی مرض ہے جو پہلوئے ذم رکھتا ہے۔

(۳) خدا مست، اچھی ترکیب نہیں، (خدا مست بمعنی مستِ مولیٰ)

(۴) کیسے بمعنی کیونکر پرانے (داغ اسیر تک نہیں لکھتے میں بھی نہیں لکھتا، مگر اب اکثر لکھنے لگے ہیں، لہٰذا بخیال توسیع زبان رہنے دیا۔

جاڑوں کی پہاڑ جیسی راتیں — اب تم ہی بتاؤ کیسے کاٹیں"

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

(۵) سرھانے کی ہ مخلوط ہے مثلاً، کہیں نیچا نہ ہوا ے گورسرھانا تیرا۔
(۶) ناراضگی کے مقابل ناراضی قابل نظر اور غیر فصیح ہے۔
(۷) عموماً سب الفاظ میں خصوصاً فارسی عربی الفاظ میں حرف کا دبنا بہت بُرا ہے۔
(۸) بڑے بڑے جگادری الفاظ لکھنا حماقت ہے۔

اصلاح بر کلام جناب صدیق حسن صاحب صدیقؔ مارہروی

صدیقؔ شبِ فرقت در و دیوار بھی آنکھیں دکھاتے ہیں ﷺ مرے گھر میں بلائے آسماں معلوم ہوتی ہے
اصلاح نہ ہٹتی ہی مرے سر سے نہ جاتی ہی مرے گھر سے ﷺ شبِ فرقت بلائے الخ

در و دیوار کے آنکھیں دکھانے سے، شبِ فرقت کا بلائے آسماں ہونا ثابت نہ تھا۔ نہ ہٹتی ہے مرے سر سے نہ جاتی ہے مرے گھر سے، کہکر شبِ فرقت کو بلائے آسماں ثابت کر دیا۔

صدیقؔ کبھی گورِ غریباں میں گذرتے ہیں تو کہتے ہیں شہیدِ ناز کی تربت یہاں معلوم ہوتی ہے
اصلاح وہاں جاکر بدل جاتا ہے اندازِ خرام اُن کا شہید ناز کی تربت جہاں معلوم ہوتی ہے

صدیق صاحب کے شعر کا مفہوم نہایت معمولی اور پست تھا۔ استاد کامل نے ایسی لطیف و وجد آفریں اصلاح دی جس سے زمینِ شعر کا پایہ آسمان سے مل گیا اور شعر سے لطافت و معنویت کے چشمے پھوٹ نکلے، سبحان اللہ وہاں جاکر بدل جاتا ہے اندازِ خرام اُن کا، ایسے پیارے لفظ ہیں جن کی داد کا دینا ممکن نہیں۔

صدیقؔ برابر بڑھ رہا ہوں منزلِ مقصود کی جانب مری عمرِ رواں دامن کشاں معلوم ہوتی ہے
اصلاح نہ ٹھہرے میرے مرقد پر یہ کہکر خار و خس مجھ سے یہاں کی خاک بھی دامن الخ

صدیق صاحب کے شعر میں منزلِ مقصود کی جانب بڑھنے کا اظہار کیا گیا تھا، لیکن یہ ضروری نہیں کہ عمرِ رواں منزلِ مقصود ہی کی طرف کھنچی ہو یہ بھی واضح نہ تھا کہ منزلِ مقصود سے کیا مراد ہے، غرض شعر کچھ نہ تھا، اصلاحی صورت میں بہت نازک خیالی کا اظہار رہے۔ شعر حسرت کا مرقع ہوگیا۔ خس و خاشاک جیسی حقیر چیزوں کا وہاں کی خاک کے دامن کشاں ہونے کے خیال سے

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

نہ ٹھہرنا۔ اچھوتا خیال ہے۔

صدیق غزلِ صدیق کی سُن کر یہ سب اہل سخن بولے زبانِ بلبلِ ہندوستاں معلوم ہوتی ہے

اصلاح تری دلکش سخنگوئی کا اے صدیق کیا کہنا زبان الخ

شعر میں صرف غزل کی نسبت کہا گیا تھا جو اصناف سخن میں سے صرف ایک چیز ہے سخنگوئی کا اطلاق تمام اصناف سخن پر ہے، سخنگوئی کو بھی دلکش کہا گیا ہے اس سے اور اہمیت پیدا ہوگئی آفریں کیا کہنا، کلمۂ توصیف کا اضافہ خاص طور پر لطیف ہے۔

صدیق عجب کیا ہے مقدر، مرکزِ اصلی پہ پہنچا دے مددائے شوقِ منزل پانوٗ اب گھر سے نکلتا ہے

اصلاح عجیب الخ مددائے شوقِ منزل پانوٗ اب باہر نکلتا ہے

پانوٗ کا گھر سے نکلنا محاورہ نہیں ہے۔ پانوٗ کا باہر نکلنا محاورہ ہے۔

صدیق دنیا مجھے قدرے جانا نہ کہہ رہی ہے دیوانہ بن گیا ہوں دیوانہ کہہ رہی ہے

اصلاح دنیا مجھے خرد سے بیگانہ کہہ رہی ہے دیوانہ الخ

قدرے جانانہ اور بات، دیوانہ اور جو خرد سے بیگانہ ہو اسی کو دیوانہ کہا جاتا ہے

صدیق گھر ہی نہ سائباں ہے بنیادِ آشیاں ہے برقِ ستم اُسے بھی کاشانہ کہہ رہی ہے

اصلاح تنکے بچھے ہوئے ہیں دو چار آشیاں میں برقِ الخ

شعر میں پہلے تو گھر ہی کے وجود سے انکار تھا پھر سائبان کے وجود سے، جب گھر نہیں تو سائبان کا ذکر ہی بیکار تھا۔ آشیاں کا سائبان وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں، آشیاں میں تنکے ہی ہوتے ہیں۔ اصلاح میں تنکوں کا اظہار بڑی لطافت کے ساتھ، دو چار کہکر کر دیا اب شعر نہایت بلیغ ہوگیا مطلب یہ ہوا کہ آشیاں کو جس میں دو چار تنکے بچھے ہوئے ہیں، کیسی عجیب بات ہے کہ برقِ ستم اُسے بھی کاشانہ کہہ رہی ہے ایک کسر شعر میں یہ بھی تھی کہ مطلع کے علاوہ کسی شعر کے مصرعہ اولیٰ میں ردیف کا آخر میں آنا عیب ہے اس عیب کا نام اجتماع ردیفین ہے، یہاں پوری ردیف تو نہ آئی تھی صرف آخری جز آیا تھا اس کا آنا

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

بھی اچھا نہ تھا۔

صدیق میخوار کوئی شاید دنیا سے اٹھ گیا ہے ۔ بگڑی ہوئی فضائے میخانہ کہہ رہی ہے

اصلاح دنیا سے اُٹھ گیا ہے میخوار کوئی شاید ۔ بگڑی الخ

یہ غزل جس وزن میں ہے وہ اوزانِ مسجع میں سے ایک وزن ہے اس شعر کے پہلے مصرعہ کے آخر میں بھی ہے، تھا، لہذا مصرعہ کے دو برابر والے ٹکڑوں کو ادھر سے ادھر کر کے ہے کو مصرعے کے درمیان میں کر دیا، اور شعر بے عیب ہو گیا۔

صدیق اے عقل ہوش میں کیا جرم ہے محبت ۔ دیوانی ہوگئی ہے دیوانہ کہہ رہی ہے

اصلاح الفت جنوں نہیں ہے اے عقل ہوش میں آ ۔ دیوانی الخ

صدیق صاحب نے عقل سے مخاطب ہوکر فرمایا تھا کہ محبت جرم نہیں ہے اگر مان لیا جائے کہ محبت جرم ہے جب بھی اُس کا دیوانگی سے کوئی واسطہ نہیں۔ جرم اور چیز دیوانگی اور بات، اصلاح میں، الفت جنوں نہیں ہے کہکر دیوانگی سے علیحدہ کر دیا۔ اور مصرعے کے دونوں ٹکڑوں کو آپس میں بدل دیا اگر علیٰ حالہ رکھکر اصلاح دی جاتی تو وہی ہے آخر میں آتا تھا جو اوپر کے دو شعروں میں آپ کا تھا۔

صدیق کیا لو اسے لگی ہے محفل میں جل رہی ہے ۔ رو رو کے شمع حالِ پروانہ کہہ رہی ہے

اصلاح عاشق نوازیوں کا اک یہ بھی ہے طریقہ ۔ رو رو الخ

اس شعر کے مصرعہ اولیٰ کے آخر میں ہے واقع تھا۔ اصلاح سے وہ بھی نکل گیا، شعر میں شمع کے محفل میں جلنے کو رو رو کے حال کہنے سے تعبیر کیا گیا تھا حالانکہ روتا اور جلنا بالکل مختلف باتیں ہیں۔

اصلاح میں پہلا مصرعہ یوں بنایا گیا۔ عاشق نوازیوں کا اک یہ بھی ہے طریقہ یہاں رو رو کے حالِ پروانہ کہنا بصورت اظہار واقعہ ہو گیا۔ اب جو مصرعہ ثانی پر مصرعہ لگایا گیا ہے اُس کی معنویت و بیساختگی قابل ملاحظہ ہے۔

صدیق بلبل کی نغمہ سنجی سمجھا نہ کوئی اب تک ۔ وہ دردِ دل کا میرے افسانہ کہہ رہی ہے

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

اصلاح بلبل کی نغمہ سنجی ہے میری نوحہ خوانی وہ الخ

بلبل کی نغمہ سنجی سمجھانہ کوئی اب تک کہنے سے، دردِ دل کا افسانہ کہنا کچھ بے تک سا تھا۔
اصلاح میں نغمہ سنجی کو نوحہ خوانی سے تعبیر کرکے، دردِ دل کا افسانہ کہنے کے عین مطابق کر دیا۔

اصلاح بر کلام راؤ بہادر کنور حاجی عبدالحمید خاں صاحب منظرؔ رئیس باغپت ضلع میرٹھ

منظر قتل میں کیا سوچا ہے کھینچ لو شمشیر بھی تم اگر بھولے ہو مجھ سے پوچھ لو تقصیر بھی
اصلاح سوچ کیا ہے قتل میں اٹھو بھی لو شمشیر بھی تم الخ

حضرت قبلہ کا نوٹ آپ کے مصرعے میں ردیف جمی نہیں تھی۔

اصلاح سے ردیف بھی کارآمد ہوگئی اور شعر میں روانی بھی پیدا ہوگئی۔

منظر بیکسی کو دیکھ کر میری رکا دست ستم کچھ چلی کچھ رہ گئی شمشیر بھی تکبیر بھی
اصلاح بیکسی پر میری اُن کے دست و لب دونوں ہلے کچھ الخ

صرف دستِ ستم کہنے سے تکبیر کی طرف کوئی اشارہ نہیں تھا، دست و لب دونوں ہلے نے شمشیر اور تکبیر دونوں کی طرف کافی اشارہ کرکے شعر کی کمی کو پورا کر دیا۔

منظر منتیں جتنی کریں اتنا ہی وہ کھنچنے لگا ہائے الٹی ہوگئی تاثیر بھی تقدیر بھی
اصلاح منتیں کیں جس قدر اتنا الخ ہائے الخ

نوٹ۔ کریں متروک ہے۔

منظر یا خدا کیا ہونے والا ہے کہ سب خاموش ہیں یاس بھی حسرت بھی ارماں بھی مری تقدیر بھی
اصلاح یا خدا الخ آس بھی

نوٹ۔ یہاں یاس مناسب نہیں اور حسرت کے معنی آرزو کے ہیں۔

منظر فصل گل آتے ہی وحشی کی ترے وحشت بڑھی پیرہن ٹکڑے کئے توڑی وہیں زنجیر بھی
اصلاح فصلِ گل آتے ہی وحشی کی یہ وحشت بڑھ گئی پیرہن بھی پارہ پارہ ہوگیا زنجیر بھی

نوٹ پیرہن کے لئے پارہ ہونا فصیح ہے۔

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

اوّل تو پیرہن کے لئے پارہ ہونا فصیح ہے جیسا کہ حضرت قبلہؔ کے نوٹ سے واضح ہے دوسرے ٹکڑے ہی کرنا اگر ہوتا تو پیرہن کے ٹکڑے کئے ہوتا نہ کہ پیرہن ٹکڑے کئے، پیرہن واحد ہے جمع نہیں ہے۔

منظرؔ خواب میں پہلو میں تھے آنکھیں کھلیں تو کچھ نہ تھا ؛ شب کو جو دیکھا تھا اس کی دیکھ لی تعبیر بھی

اصلاح خواب میں تھے ہم بغل آنکھیں الخ شب الخ

پہلو میں ہونے سے ہم بغل ہونا زیادہ لطیف ہے۔

منظرؔ یوں شبِ فرقت میں منظرؔ یاد کرتا ہوں انھیں دل میں رہتا ہے تصوّر سامنے تصویر بھی

اصلاح اُن کو منظرؔ یوں شب فرقت کیا کرتا ہوں یاد دل الخ

نوٹ۔ شبِ فرقت میں، صحیح نہیں صرف شب فرقت فصیح ہے۔

اصلاح بر کلام جناب صغیر احمد صاحب صغیرؔ جلال آبادی

صغیرؔ ترتیب دے رہے ہیں وہ زلفِ سیاہ کو یا دیکھتا ہوں ابر کے دامن میں ماہ کو

اصلاح کھولا ہے اس نے چہرے پہ زلف سیاہ کو یا الخ

نوٹ ترتیب دینا زلف کے لئے اچھا نہیں معلوم ہوا۔

اوّل تو زلف کا ترتیب دینا اچھا نہیں تھا دوسرے اگر اچھا بھی ہوتا تو ترتیب دینے کا مطلب، چہرے پر بکھرنا نہیں ہو سکتا تھا، جب تک زلف کا چہرے پر ہونا نہ کہا جائے ابر کے دامن میں ماہ کا ہونا ثابت نہیں ہوتا معمولی سی ترمیم سے صغیر صاحب کا مفہوم خوش اسلوبی سے ادا ہو گیا۔

صغیرؔ رقص میں بادِ صبا ہے گل میں کیفِ جام ہے فصلِ گل ہے یا صلائے رندِ مے آشام ہے

اصلاح رقص الخ فصل گل ہے یا صلائے بادۂ گلفام ہے

نزاکتِ اصلاح ملاحظہ ہو۔ رندِ مے آشام کی جگہ، بادۂ گلفام بنایا گیا، اے سبحان اللہ ہر گل میں کیفِ جام کے ساتھ، صلائے بادۂ گلفام کو جس قدر مناسبت ہے وہ کسی اور لفظ کو

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

نہیں ہو سکتی۔

صَغیر نہ روئیں میری میّت پر یہ کہدو سوگواروں سے — فداکارانِ الفت کی بقا ہی تیغِ قاتل ہے

اصلاح نہ روئیں الخ — کہ جاں بخش اپنے جاں بازوں کے حق میں تیغِ قاتل ہے

فداکارانِ الفت کی بقا ہے تیغِ قاتل سے اگر کہا جاتا تو ایک حد تک صحیح بھی ہوتا۔ اصلاً شعر میں ردیف کا استعمال درست نہیں تھا، اور یہ بات جو اصلاح سے پیدا ہوگئی، فداکارانِ الفت کی بقا ہی۔ تیغِ قاتل سے 'کہنے میں بھی پیدا نہیں ہو سکتی'، نہ روئیں میری میّت پر یہ کہدو سوگواروں سے، کہنے کے بعد کہ جاں بخش اپنے جاں بازوں کے حق میں تیغِ قاتل ہے۔ کیسے پیارے الفاظ میں تلقینِ صبر ہے۔

صَغیر تابکے یہ جاں ستانی اے گناہِ آرزو — ایک دل تھا وہ ہی میں نے نذرِ مژگاں کردیا

اصلاح تابکے یہ گریہ سامانی کہاں تک جوشِ غم — خونِ دل جتنا تھا میں الخ

ایک تو دل کا نذرِ مژگاں ہونا، اور ایک خونِ دل کا نذرِ مژگاں ہونا بڑا فرق رکھتا ہے۔ خونِ دل کا نذرِ مژگاں ہونا بالکل صحیح، اور خون کے نذرِ مژگاں ہونے کے لئے گریہ نہایت ضروری تھا۔ تابکے یہ گریہ سامانی کے بعد کہاں تک جوشِ غم، کے ٹکڑے نے شعر میں اور بھی مناسبت کی روانی اور کیفیت پیدا کر دی صغیر صاحب کے شعر میں وہ ہی بھی غیر فصیح تھا فصحا دہی لکھتے ہیں۔

صَغیر ربابِ دل یہ ہیں مضرابِ غم کی کاوشیں پیہم — رہے گا دیکھئے کب تک نظامِ جسم وجاں باقی

اصلاح ربابِ دل یہ ہیں مضرابِ غم کی ضربتیں پیہم — رہے گا دیکھئے کب تک یہ سازِ جسم وجاں باقی

اصلاح میں کاوشیں کی جگہ ضربتیں اور نظام کی جگہ یہ ساز بنایا گیا ہے، رباب ایک ساز کا نام ہے ساز کے لئے کاوش کا استعمال کچھ نہیں، اور ضرب کا سب کچھ، ساز کے چھیڑنے کے لئے ضرب یعنی چوٹ نہایت ضروری چیز ہے۔ دوسرے مصرعے میں رباب کی نسبت سے ساز بنایا گیا ہے۔ یہ لفظ نظام، ساز سے زیادہ برمحل نہ تھا۔

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

صغیر قیودِ زندگی توڑی نظامِ جسم وجاں بدلا — رہیں پھر بھی دلِ مجبور کی مجبوریاں باقی
اصلاح قیود زندگی توڑیں نظام الخ — رہیں الخ

قیود جمع ہے اس لئے توڑیں چاہئے۔

صغیر دل چرایا صبر لوٹا پھر بنے پرسانِ حال — اللہ اللہ کیا مذاقِ عارفانہ یاد ہے
اصلاح دل الخ — اللہ اللہ کیا سلوک الخ

صرف ایک لفظ بدلا گیا مذاق کی جگہ سلوک کی معنویت کا کیا کہنا۔ مدارجِ عرفان میں ایک جذب ہے دوسرا سلوک اس نسبت سے بھی سلوک کا استعمال بہت خوب ہے اور برتاؤ کے معنی میں بھی کیا کہنا۔

صغیر دل لگانے سے ملے حسن کی سرکار سے یہ — دردوغم، رنج والم، نالہ و فریاد مجھے
اصلاح دے کے دل حسن کی سرکار سے انعام ملے — درد الخ

ایک تو خالی دل لگا کر دردوغم وغیرہ کا ملنا اور ایک انعام میں ملنا بڑا فرق رکھتا ہے اصلاح سے شعر میں کافی ترقی پیدا ہوگئی۔

صغیر تارِ نفس فراق میں نغمۂ سوز وساز ہو — پھر مجھے ہم جلیس کیوں حاجتِ نے نواز ہو
اصلاح تار نفس جو ہجر میں زخمۂ سوز وساز ہو — پھر الخ

نوٹ۔ تار نفس کی تشبیہ نغمے سے بغیر وجہ تشبیہ کے ہے اسی لئے زخمہ (مضراب) بنایا گیا۔

حضرت قبلہؒ کے نوٹ سے نغمہ کی جگہ زخمہ بنانے کی ضرورت تو واضح ہوگئی۔ اس کے علاوہ فراق کی جگہ جو ہجر بنایا گیا ہے، دوسرے مصرعے میں کہا گیا تھا، پھر مجھے ہم جلیس کیوں حاجتِ نے نواز ہو، یہ کیوں، کسی حرف شرط کا محتاج تھا یہ کمی فراق کی جگہ جو ہجر بنانے سے پوری ہوگئی۔

صغیر دکھا کر اک جھلک موسےٰ کو جس نے کردیا بیخود — اسی کی جستجو میں منہمک ہیں پتلیاں میری
اصلاح دکھا کر الخ — اسی کی جستجو میں پھر رہی ہیں پتلیاں میری

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

جستجو میں پھرنا نہایت ضروری ہے، منہمک ہونے میں وہ بات کہاں جو پھرنے میں ہے۔ تیلیوں کے ساتھ پھرنے کا استعمال، کیا کہنا ہے۔

صغیر کھینچدی ہے ذرہ ذرہ پر تری تصویر دیکھ ہر نگاہِ شوق میری صنعتِ بہزاد تھی

اصلاح کھینچدی ہی ذرہ ذرہ پر تری تصویرِ حسن ہر نگاہِ شوق میری روکشِ بہزاد تھی

دیکھ کی جگہ حسن بنایا گیا، دیکھ حشو تھا، حسن، تصویر کے ساتھ ملکر معنی خیز ٹکڑا ہو گیا، دوسرے مصرعے میں صنعت کی جگہ روکش بنایا گیا، ظاہر ہے کہ بہزاد ایک مصوّر تھا، اور اس کی صنعت، تصویر کشی، نگاہِ شوق کو صنعتِ بہزاد کہنا صحیح نہیں تھا، اور صغیر صاحب کا یہ مطلب کہ ہر نگاہِ شوق نے ذرہ ذرہ پر تری تصویر کھینچدی ہے، نگاہِ شوق کو صنعتِ بہزاد کہنے سے پورا نہیں ہوتا تھا، بہزاد مصوّر تھا اس میں تو کوئی شبہ نہیں، لیکن کوئی مصوّر ذرّوں پر تصویریں نہیں کھینچ سکتا یہ کام مصوّری سے بالاتر ہے لہذا استاد کامل الفن نے صرف ایک لفظ روکش سے اس اہم ضرورت کو پورا کر دیا۔ روکش کے معنی ہیں شرمندہ کرنے والا۔

اصلاح بر کلام منشی احمد بخش صاحب ابر گنوری

ابر پہلو میں مرے غم کا ہی حاصل نہ سمجھنا کونین کا حاصل ہے اسے دل نہ سمجھنا

اصلاح پہلو میں فقط رنج کا حاصل نہ سمجھنا کونین الخ

ابر صاحب کے مصرع میں کا ہی ذرا دبکر نظم ہوا تھا اور ہی کی یائے معروف گر جانے سے ہائے ہوز کے بعد حاصل کی حائے حطی تھی ان کا اجتماع بھی اچھا نہ تھا، مرے بھی بے ضرورت تھا، ذراسی ترمیم سے شعر درست ہو گیا اور روانی بھی پیدا ہو گئی۔

ابر مظلوم ہی رسم وفا توڑ نہ مجھ سے بیداد ہے بیداد کے قابل نہ سمجھنا

اصلاح ایذا طلبی فطرتِ عاشق میں ہی داخل بیداد الخ

ترک بیداد کو بیداد کہا گیا تھا، اس لئے رسم وفا نہ توڑنے کی درخواست بے تک

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

تھی، یہ بھی ہو سکتا تھا کہ لفظ وفا کی جگہ جفا بنا دیا جائے مگر اس سے فطرتِ عاشق کا اظہار نہ ہوتا اور یہاں فطرتِ عاشق کے اظہار کی ضرورت تھی ایذا طلبی فطرتِ عاشق میں ہی داخل، نہایت بلیغ اصلاح ہے۔

آبر — ہر چیز کہ در کانِ نمک رفت نمک شد — پیکاں ہے ترا آرزوئے دل نہ سمجھنا

اصلاح — ہر چیز الخ — پیکاں یہ تمہارا ہے اسے دل نہ سمجھنا

ظاہر ہے کہ پیکاں محبوب دل میں داخل ہوتا ہے نہ کہ آرزوئے دل میں، لہذا پیکاں کو' بمصداق' ہر چیز کہ در کان نمک رفت نمک شد دل سمجھا جا سکتا تھا نہ کہ آرزوئے دل، اصلاح سے آبر صاحب کا مفہوم نہایت واضح طور پر ادا بھی ہو گیا اور اندازِ ادا میں شگفتگی بھی پیدا ہو گئی۔

آبر — اجڑے ہوئے ارمانوں کے کچھ نقش ہیں باقی — لوٹی ہوئی بستی ہے اسے دل نہ سمجھنا

اصلاح — لوٹے ہوئے الخ — اجڑی ہوئی الخ

یہ اصلاح' اصلاح نہیں ہے' اعجاز ہے' صرف اجڑے کی جگہ لوٹے اور لوٹی کی جگہ اُجڑی بنایا گیا ہے گویا تذکیر و تانیث کا لحاظ کرتے ہوئے دو لفظوں کو اِدھر سے اُدھر رکھ دیا ہے، اس معنی خیز رد و بدل کی کیا تعریف ہو' حقیقت یہ ہے کہ وہ شے اجڑتی ہے جو ظرف ہو' ارمان ظرف نہیں مظروف ہیں، مظروف کو لوٹا جا سکتا ہے۔ لہذا ارمانوں کو لوٹے ہوئے کہا گیا، اجڑے ہوئے صحیح نہ تھا، اور اگر یہ صحیح بھی ہوتا تو پہلے ارمانوں کو اجڑے ہوئے کہا تھا، پھر بستی کو لوٹی ہوئی، ضرورت تھی کہ لوٹ پہلے ہو پھر اجاڑ کی شے کو لٹ جانے سے پہلے اجڑا ہوا نہیں کہہ سکتے، بستی کو لوٹا ہوا کہنا بھی صحیح ہے اور اجڑا ہوا کہنا بھی درست ہے، لیکن لوٹا ہوا کہنا اس درجہ قابلِ التفات نہیں جتنا اجڑا ہوا ہونا ہے اجڑے ہوئے میں زیادہ حسرت کا اظہار ہوتا ہے۔

آبر — کیا جانئے آبر اس کا محبت میں ہے کیا نام — منزل پہ پہنچ کر اُسے منزل نہ سمجھنا

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

اصلاح کہتا ہے مرا شوقِ طلب آبر یہ مجھ سے منزل بھی جو مل جائے تو منزل نہ سمجھنا

آبر صاحب کا شعر کچھ الجھا ہوا سا تھا۔ اصلاح سے رواں ہوگیا اور فراوانیٔ شوقِ طلب کا اظہار بڑی لطافت سے پیدا ہوگیا۔

آبر نکلی ہی کیوں تھی منہ سے بتا نامراد آہ عالم ہی تجھ سے جب تہ و بالا نہ ہو سکا

اصلاح نکلی ہی کیوں تھی منہ سے بتا آہِ نامراد عالم الخ

نامراد آہ میں وہ سلاست کہاں جو آہِ نامراد میں ہے، وہی لفظ ہیں ذرا اِدھر اُدھر کر دینے سے شعر سلیس ہوگیا۔

آبر اٹھتا بھی کس سے ہجر میں الزامِ زندگی اچھا ہی ہوا کہ میں اچھا نہ ہو سکا

اصلاح اٹھتا نہ مجھ سے الخ اچھا الخ

مصرعہ ثانی میں اپنے اچھے نہ ہونے کا ذکر کیا تھا اس لئے کس سے موزوں نہ تھا، اور بھی حشو تھا لہذا یہی کس سے کی جگہ نہ مجھ سے بنایا گیا اب شعر میں روانی پیدا ہوگئی۔

آبر ہلکا سا اک حجابِ نظر تھا جنابِ قیس غفلت نے جس کو پردۂ محمل بنا دیا

اصلاح اے قیس وہ فریبِ حجابِ نگاہ تھا غفلت الخ

ہلکا سا، حشو قبیح تو نہ تھا مگر حشو ضرور تھا، پھر کہاں حجابِ نظر، کہاں فریبِ حجابِ نگاہ،

آبر مجھ کو تو اس کا ہوش نہیں تم ہی کچھ کہو بسمل میں ہوگیا ہوں کہ بسمل بنا دیا

اصلاح مجھ کو تو اس کا ہوش نہیں ہے تمھیں کہو بسمل الخ

نوٹ۔ تمھیں فصیح ہے۔

تم ہی کی جگہ ہے تمھیں، بنانے سے تم ہی جو غیر فصیح تھا، نکل گیا اور شعر میں فصاحت پیدا ہوگئی۔

آبر ہائے اِن دُہری بلاؤں میں اسیرانِ وفا قیدِ ہستی کی مصیبت اور زندانِ وفا

اصلاح دو بلاؤں میں پھنسے ہیں ہم اسیرانِ وفا قیدِ ہستی الخ

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

شعر میں اسیرانِ وفا کا اطلاق واضح طور پر اپنے لئے نہیں ہوتا تھا، اصلاح سے خود کو اسیرانِ وفا کہنا واضح ہو گیا، اور اسیرانِ وفا کے لئے پھنسے ہیں ملاحظہ طلب ہے۔

آبر — جانتا ہوں جور کو بھی اُن کے میں جانِ وفا ۔ ہو چلا ہے عشق میں اب مجھ کو عرفانِ وفا

اصلاح — کیوں نہ سمجھیں ہم جفا کو بھی تری جانِ وفا ۔ ہے یہ عرفانِ محبت ہے یہ ایمانِ وفا

ایک تو کسی بات کو معمولاً جاننا اور ایک اس طرح جاننا کہ اس سے اختلاف کی کوئی وجہ نہ ہو سکے، بڑا فرق رکھتا ہے، اصل شعر اور اصلاح میں یہی فرق ہے، دوسرے مصرع میں آبر صاحب نے صرف عرفانِ وفا کا ذکر کیا تھا، اصلاح میں ایک لطیف اضافہ ہو گیا، جو بات داخلِ ایمان ہو اس سے کون انحراف کر سکتا ہے۔

آبر — دیکھ دستِ جور اس کا بھی رہے تجھکو خیال ۔ تیرے جھٹکے چاک کر ڈالیں نہ دامانِ وفا

اصلاح — دستِ وحشت سے رہا کرتا ہی یہ کھٹکا مجھے ۔ اس کے جھٹکے الخ

دستِ جور سے جھٹکوں کا واسطہ اگر ہو بھی سکتا ہو تو اتنا قریبی نہیں، جتنا دستِ وحشت سے ہو سکتا ہے۔ چاک دامانی دستِ وحشت کا خاص کام ہے، اور جھٹکے کے لئے کھٹکا کتنی لگتی ہوئی بات ہے، یہ لطافت خیال میں کہاں، اصلاح سے شعر سلیس و روان ہو گیا۔

آبر — بعد میرے وہ بھی ترسینگے وفا کے نام کو ۔ ہو رہیگا ایک دن اُن کو بھی عرفانِ وفا

اصلاح — وہ بھی میرے بعد ترسینگے الخ ۔ ایک دن ہو جائیگا اُن الخ

نوٹ۔ ہو رہیگا غیر فصیح ہے۔

پہلے مصرع میں تھا، بعد میرے وہ بھی، اس میں تعقید تھی، وہ بھی میرے بعد، کہنے سے تعقید کھل گئی، دوسرے مصرع کی اصلاح کا سبب حضور سیدیؒ کے نوٹ سے واضح ہے۔

آبر — کہہ کے یہ تلقینِ شیون کرتے ہیں مجھ کو طبیب ۔ خونِ دل او خوگرِ ضبطِ فغاں ہو جائے گا

اصلاح — کہہ کے الخ ۔ خونِ دل اے خوگر الخ

نوٹ۔ او اشارہ مخاطب بعید کو اور اے مخاطب قریب کو چاہیئے۔

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

ابر　زلزلے آ گئے جو کیں آہیں　　بارہا آزما کے دیکھ لیا

اصلاح　زلزلے آئے جب کئے نالے　　بارہا الخ

مصرعہ ثانی میں بارہا آزمانے کا ذکر تھا، لیکن مصرعہ اولیٰ کی ترتیب سے یہ بات ثابت نہ تھی، اصلاح میں اور ترمیم کے ساتھ جب بنا کر اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ یہاں جب کے معنی، جب کبھی کے ہیں۔

ابر　ہوئی تسکین نہ خوں رونے سے　　رنگ یہ بھی جما کے دیکھ لیا

　ہوئی تسکین نہ خوں فشانی سے　　رنگ الخ

خوں رونے سے خوں فشانی کہیں بہتر ہے۔

ابر　دیکھ لے خوب یہ ہے لاش اسی بیکس کی　　جس دل کا کوئی تا زیست نہ ارماں نکلا

اصلاح　دیکھ الخ　　جیتے جی دل سے نہ جس کے کوئی ارماں نکلا

تا زیست میں فارسیت تھی، جیتے جی خالص اردو روزمرہ ہے فصحا اردو روزمرہ اور اردو الفاظ کا استعمال بہتر سمجھتے ہیں۔

ابر　جامہ زیبی مری وحشت میں کوئی کیا کرتا　　آستین بس نہ چکی تھی کہ گریباں نکلا

اصلاح　جامہ دوزی مری الخ　　آستین الخ

مصرعہ ثانی میں سلنے کا ذکر تھا، اس لئے جامہ دوزی سے معنویت میں اضافہ ہوگیا،

ابر　نہ پوچھ اے چارہ گر غم کی خلش سے کیا گزرتی ہے　　یہ ہے وہ پھانس دل پر کام کرتی ہے جو پیکاں کا

اصلاح　نہ پوچھ الخ　　یہ ہے وہ پھانس دل میں کام الخ

پھانس اوپر رہنے والی چیز نہیں اس لئے پر کا استعمال غلط تھا، لہٰذا پر کی جگہ میں بنا گیا۔

ابر　یہی شغل ابر وحشت سے رہا زنداں میں مدت تک　　بنایا اور بگاڑا خاک پر نقشہ بیاباں کا

اصلاح　رہا دست جنوں کا مشغلہ یہ ابر زنداں میں　　بنایا الخ

مدت تک کہنے سے یہ بات ثابت نہ تھی کہ جب تک زنداں میں رہے خاک پر بیاباں کا

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

نقشہ بنانے اور بگاڑنے کا مشغلہ جاری رہا خیال یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کچھ زمانہ اس شغل سے خالی بھی رہا دوسرے نقشہ بنانے اور بگاڑنے کا کام ہاتھ ہی کا ہو سکتا ہے، رہا دستِ جنوں کا مشغلہ یہ آبر زندان میں، کہنے سے پہلی کمی بھی پوری ہو گئی اور دوسری ضرورت بھی۔

آبر　پار ہونا بحرِ الفت سے تو کچھ مشکل نہ تھا　　جو کہیں ڈوبا وہیں پر اس کو ساحل ہو گیا

اصلاح　پار ہوتے بحرِ الفت سے یہ مشکل تھا مگر　　ڈوبنے والوں کو ہر گرداب ساحل ہو گیا

پہلے مصرع کی ترمیم سے ترقی پیدا ہو گئی، مصرعہ ثانی میں، وہیں پر تھا، وہیں پر میں پر حشو ہے اس لئے وہیں پر متروک ہے وہیں بولتے ہیں اصلاح سے یہ عیب بھی نکل گیا! اور پھر ہر گرداب کی معنویت کا کیا کہنا

اصلاح بر کلام غلام احسن راز احسنی سہسوانی

راز　فرقت میں امنڈتا ہے لہو دیدہ و دل سے　　لبریز مے ناب ہیں یہ جامِ تمنا

اصلاح　فرقت الخ　　لبریز مے غم ہیں خم و جامِ تمنا

فرقت میں دیدۂ و دل سے امنڈے ہوئے لہو کو مے ناب سے تشبیہ نہایت واہیات تھی، مے غم کی مناسبت و معنویت کا کیا کہنا، پھر دیدہ و دل دونوں کو جام سے تشبیہ دی تھی، اُس کی جگہ استاد کامل الفن نے خم و جام رکھدیا، اس قسم کی اصلاحیں معمولی اساتذہ نہیں دے سکتے "جو دو دو کوڑیوں کے شعروں کو معمولی ترمیمات سے بے بہا بنا دیں۔

راز　مقدر میں یہ کیا شے کارفرمائے جہاں رکھدی　　دیا دل یا مرے سینے میں اک برقِ تپاں رکھدی

اصلاح　مقدر الخ　　مرے سینے میں دل رکھا ہے یا برق تپاں رکھدی

مصرعِ ثانی میں زبردست تعقید تھی، اور ایک خرابی یہ بھی تھی کہ دنیا اور رکھنا علیحدہ علیحدہ باتیں تھیں، اصلاح سے تعقید بھی دور ہو گئی اور دل رکھا ہے یا برق تپاں رکھدی، کہنے سے دونوں جگہ رکھنا ہو گیا شعر میں روانی پیدا ہو گئی۔

راز　تری تسبیح کرنے کے لئے شبنم سے منہ دھو کے　　چمن کی ہر کلی جب صبح ہو گی باوضو ہو گی

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست

اصلاح تری تسبیح کرنے کے لئے شبنم سے منہ دھوکر چمن الخ

نوٹ۔ اس ہو کے لکھنؤ والوں کا ایجاد ہے دلّی والے اس کو فصیح نہیں سمجھتے اور میں انھیں کا مقلّد ہوں۔

رازؔ جہاں تک ہوسکے ارماں نہ آنے دے کوئی دل میں ؎ تمناؤں سے دل کا دور ہوجانا ہی جنت ہے

اصلاح جہاں الخ تمناؤں سے دل کا پاک ہوجانا ہی جنت ہے

صرف ایک لفظ دور کی جگہ پاک بنایا گیا سبحان اللہ کس قدر پاکیزہ اصلاح ہے۔

ڈاکٹر محمد ارشد کتاب دوست